قائد اعظم محمد علی جناح اور نواب آف بہاول پور کے تعلقات: ایک تاریخی جائزہ

محمد اکبر ملک

برصغیر کی تاریخ میں قائد اعظم محمد علی جناح کا شمار ان قائدین میں ہوتا ہے جنہوں نے مسلمان قوم کو حیات نوع عطا کی۔ آپ کی شخصیت میں ریا کاری نہ تھی۔ آپ وضع قطع میں انتہائی جاذب نظر، گفتگو میں انتہائی دل آویز اور طور طریقے میں نہایت دلکش تھے۔ غرضیکہ اس بیان میں کوئی مبالغہ نہ تھا کہ "To see him is to love him"۔ آپ میں آئینی و قانونی مسائل کو سمجھنے کی صلاحیتیں بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں جس کے اپنے بیگانے سبھی معترف تھے۔ غرضیکہ برصغیر کا یہ رہبر اپنی ذات میں انجمن تھا۔ یوں تو قائد اعظمؒ کی زندگی کے بے شمار واقعات ایسے ہیں جو کتابوں، اخبارات اور رسائل کی زینت بنے ہوئے ہیں۔ لیکن کچھ واقعات اور تاریخی حقائق ایسے بھی ہیں جن کے بارے میں لوگ بہت کم جانتے ہیں ان میں قائد اعظم اور نواب بہاول پور صادق محمد خان خامس (۱۹۲۴ء۔۱۹۵۵ء) کے دیرینہ تعلقات بھی شامل ہیں۔ زیر نظر مضمون میں ان تاریخی مراسم کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ جس کی تفصیل بیان کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ برصغیر میں ریاست بہاول پور اور اس کے آخری فرمانروا کی تاریخی اہمیت بیان کی جائے۔

برصغیر پاک و ہند کی ریاست بہاول پور اپنے تاریخی پس منظر اور جغرافیائی اہمیت کے لحاظ سے منفرد مقام کی حامل رہی ہے۔ مشہور ماہر آثار قدیمہ ڈاکٹر رفیق مغل کے تحقیقی سروے کے مطابق "ماقبل تاریخی آبادیوں کے جتنے آثار اس ڈویژن بہاول پور میں ملتے ہیں وہ کسی دوسرے پاکستانی علاقے میں نہیں پائے جاتے"[1]۔ پتن منارہ، سوتی وہار، ماؤ مبارک اوچ شریف کے کھنڈرات اور سکندر اعظم کا اوچ پہنچنا بھی اس بات کے شواہد ہیں کہ یہ علاقہ زمانہ قدیم میں بھی تہذیب یافتہ اور متمدن تھا۔ اس کے علاوہ بہاول پور کے صحرا (چولستان) میں گم شدہ دریا، جسے مختلف علاقوں میں سرسوتی، گھاگرہ، ہاکڑہ

اور نارہ کے نام سے پکارا جاتا تھا کے آثار آج بھی موجود ہیں۔ محمد بن قاسم کے حملے کے بعد یہ علاقہ اسلامی حکومت اور تمدن کے زیر اثر آیا۔ مسلم فاتحین محمود غزنوی (۹۹۸ء۔ ۱۰۳۰ء) اور شہاب الدین غوری (۱۱۷۵ء۔ ۱۲۰۶ء) بھی ان علاقوں کو فتح کرتے ہوئے علی الترتیب سومنات اور دہلی تک پہنچے۔ بارھویں اور تیرھویں صدی عیسوی کے سلاطین ہند کے دور میں اوچ کو ہندوستان میں علم و عرفان کے پہلے مرکز کی حیثیت رہی ہے۔ مغل بادشاہوں میں نصیرالدین ہمایوں (۱۵۳۰ء۔۱۵۵۶ء) نے شیر شاہ سوری (۱۵۴۰ء۔۱۵۴۵ء) سے شکست کے بعد راہ فرار اختیار کی اور دریائے ہاکڑہ کے راستے سندھ کا رخ کیا۔[۲] گویا یہ علاقہ برصغیر کی تاریخ کے ہر دور میں حکمرانوں کی آماجگاہ رہا ہے۔ مغلوں کے دور انحطاط میں برصغیر ایک مرتبہ پھر بہت سی آزاد و خود مختار ریاستوں میں بدل گیا تھا۔ ریاست بہاول پور کے حکمرانوں کے آباؤ اجداد بھی زیریں و بالائی سندھ کی افراتفری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس علاقے پر قابض ہوگئے۔ اس سے قبل اس خاندان کے سربراہ خلفائے بغداد کے خاندان سے ہونے کی بدولت (مکران میں میاں ادھانہ اور سندھ میں میاں آدم شاہ) مذہبی پیشوا کی حیثیت رکھتے تھے۔ اکبر اعظم (۱۵۵۶ء۔ ۱۶۰۵ء) کے بیٹے مراد (۱۵۷۰ء۔ ۱۵۹۹ء) نے ۱۵۸۳ء میں اس خاندان کے ایک امیر غنی المعروف چنی خان کو ملتان میں پنج ہزاری کا منصب دیکر اس خاندان کی حکمرانی کی بنیاد رکھی[۳]۔ امیر غنی کے بعد یہ خاندان دو حصوں میں بٹ گیا ان میں سے ایک نے کلہوڑوں کے نام سے (۱۷۰۰ء۔ ۱۷۸۴ء) تک سندھ پر اور دوسرے نے داؤد پوترہ کے لقب سے ریاست بہاول پور (۱۷۲۷ء۔ ۱۹۵۵ء) کی بنیاد رکھی۔ کلہوڑوں اور داؤد پوتروں کی باہمی چپقلش کی بدولت امیر صادق محمد اول (۱۷۳۶ء۔ ۱۷۴۵ء) کو شکار پور چھوڑنا پڑا اور اسطرح ان کی اوچ آمد اور مخادیم بخاری و گیلانی کے ایماء پر گورنر ملتان سے چودری کا علاقہ بطور جاگیر حاصل کیا اور ریاست بہاول پور کی بنیاد رکھی۔

برطانوی ہندوستان میں بہاول پور مسلمانوں کی دوسری بڑی ریاست تھی جبکہ پاکستان میں شامل ہونے والی سب سے بڑی ریاست تھی۔ ۱۹۴۷ء میں اسکی آبادی ۱۵ لاکھ تھی جس میں ۸۱.۹۳ فی صد آبادی مسلمان تھی۔ اس کا رقبہ ۲۰ ہزار مربع میل تھا جس میں سے ۶۷۰۰ مربع میل قابل کاشت تھا بقیہ حصہ چولستان پر مشتمل ہے[۴]۔ انگریزوں نے دوستی کے مختلف معاہدات کے تحت اس ریاست کی جغرافیائی اور فوجی حیثیت سے خوب فائدہ اٹھایا اور اسے ایک فوجی رسدگاہ کے طور پر استعمال کیا مثلاً

۱۸۳۷ء میں افغانستان کی پہلی مہم کیلئے' ۱۸۴۳ء فتح سندھ کیلئے' ۱۸۴۸ء ملتان کی فتح کیلئے' ۱۸۷۹ء افغانستان کی دوسری جنگ کیلئے' جنگ عظیم اول (۱۹۱۴ء۔ ۱۹۱۸ء) اور دوسری جنگ عظیم (۱۹۳۹ء ۔۱۹۴۵ء) میں ریاست سے فوجی امداد کے علاوہ ریاست کے تمام وسائل سے بھی خوب فائدہ اٹھایا۔ اس جنگ میں حکمران' رعایا اور ملازمین کی طرف سے ایک کروڑ روپے سے بھی زائد کی مالی امداد فراہم کی گئی۔[۵] جنگ عظیم دوم کے دوران نواب نے حکومت ھند کی درخواست پر مشرقی وسطی کے عرب ممالک بالخصوص ایران' عراق' لبنان' شام' فلسطین اور مصر کے عمائدین سے ملاقاتیں کیں اور مختلف محاذوں پر ہندوستانی افواج کی حوصلہ افزائی کی۔ نواب صادق محمد کی صلاحیتوں کے انگریز حکام ہی معترف نہ تھے بلکہ پنجاب کی دوسری ریاستوں کے حکمران بھی ان کا بے حد احترام کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ۱۹۴۶ء میں آپ کو پنجاب اسٹیٹس کونسلز کا صدر منتخب کیا گیا۔[۶]

جہاں تک ریاست کے ذرائع آمدنی کا تعلق ہے یہ ریاست اپنی کم آبادی اور معقول اخراجات کی بدولت خوشحال رہی ہے۔ لیکن ریاست کے آبپاشی کے منصوبے ستلج ویلی پراجیکٹ (۱۹۲۱ء۔ ۱۹۳۳ء) کے مکمل ہونے پر ریاستی ذرائع آمدنی میں بہت اضافہ ہوا۔ ۴۶۔۱۹۴۵ء کی ایڈمنسٹریشن رپورٹ جو مارچ ۱۹۴۷ء میں شائع ہوئی کے مطابق ریاست کی سالانہ آمدنی ۷۰۹۰' ۳۷' ۱۲' ۴ روپے تھی جبکہ اس سال کے اخراجات ۱۷۹' ۱۵' ۴۲' ۳ روپے تھے اس طرح اس سال کی بچت ۲۸۷۷' ۵۸' ۰۷ روپے تھی۔[۷] ریاست کی مالی خوشحالی کے پیش نظر حکومت پاکستان کی طرف سے دفاع کے ضمن میں ایک کروڑ روپیہ سالانہ اور سرحدی پولیس کے لئے ۱۵ لاکھ روپے سالانہ کا بوجھ بھی ریاست پر ڈالا گیا۔[۸] ریاست کی بہتر مالی حالت الحاق پاکستان کے بعد بھی کئی سالوں تک رہی۔ جیسا کہ نیاز محمد خان نے پاکستان میں شامل ہونے والے مختلف یونٹوں اور ڈویژنوں کی آمدنی و اخراجات کے گوشوارے پیش کیے ہیں جس کے مطابق "۵۶۔۱۹۵۵ء میں بھی بہاول پور ڈویژن کی سالانہ آمدنی ۷ کروڑ اور اخراجات ۵.۹۶ کروڑ تھے"۔[۹]

ریاست بہاول پور کے آخری تاجدار نواب سر صادق محمد خاں خامس' نواب بہاول خاں خامس (۱۹۰۳ء۔۱۹۰۷ء) کی واحد نرینہ اولاد تھے۔ آپکی ولادت ۱۹۰۴ء میں ہوئی۔ ۱۹۰۷ء میں والد کی اچانک وفات کی بنا پر ریاست کے امیر قرار پائے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم لاہور کے ایچیسن کالج میں حاصل

کی۔ انتظامی و فوجی تربیت کیلئے ابتداء میں کوئٹہ اور بعد میں انگلستان تشریف لے گئے۔ تربیت مکمل ہونے پر ۱۹۲۴ء میں ریاست کا مکمل اقتدار آپ کے سپرد کر دیا گیا۔ نواب صادق محمد نے اپنے عہد حکومت میں بھرپور انتظامی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا۔ آپ جب برسراقتدار آئے تو ریاست ستلج ویلی پراجیکٹ کے سلسلے میں حکومت ہند کی بارہ کروڑ روپے کی خطیر رقم کی مقروض تھی۔ اس بار گراں کو آپ نے اپنے حسن تدبر سے اتارا۔ دوسری جنگ عظیم میں نواب نے ایک بار پھر انگریزوں کی امداد کیلئے افواج بہاول پور کے علاوہ ریاست کے تمام وسائل بھی پیش کر دیئے۔ غرضیکہ نواب صادق محمد جنگ و امن کی حالتوں میں اپنی تمام تر صلاحیتیں اور وسائل، قلبی جذبے کے ساتھ خدمت خلق کیلئے بروئے کار لاتے رہے۔ آپ کی شخصیت ہمہ گیر خوبیوں کی حامل تھی، عدل پسندی، رعایا پروری، فیاضی، علم نوازی، حتیٰ کے دکھی انسانیت کی خدمت کا جذبہ اس حد تک موجود تھا کہ اس میں وہ اپنے آرام و آسائش کی بھی پروا نہ کرتے تھے۔ انہی خوبیوں کی بدولت رعایا ان سے بہت محبت کرتی تھی۔ کمشنر بہاولپور سید ہاشم رضا(۱۹۵۶ء ۔ ۱۹۵۷ء) کا یہ تاریخی جملہ نواب صادق محمد کی زندگی کی تفسیر نظر آتا ہے کہ ''وہ فرمانرواؤں میں انسان تھے اور انسانوں میں فرمانروا''۔[۱۰]

اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود نواب صادق محمد ہندوستان کی سیاست پر گہری نظر رکھتے تھے اور اس دور کے سیاسی رہنماؤں سے بھی ان کے ذاتی مراسم تھے۔ جن قائدین سے آپ کا تعلق تھا ان میں سب سے نمایاں نام قائد اعظم محمد علی جناح کا تھا۔ یہ دوستی یک طرفہ نہ تھی خود قائد اعظم بھی اس تعلق کے معترف تھے۔ ان دو عظیم شخصیات کی دوستی کی ابتداء ریاست کے آبپاشی کے منصوبے ستلج ویلی پراجیکٹ کے سلسلے میں ہوئی۔ کیونکہ حکومت ہند سے قرضہ کی شرائط طے کرنے کیلئے کسی ماہر قانون دان سے قانونی مشورے کی ضرورت تھی لہٰذا اس سلسلے میں برصغیر کے مشہور ماہر قانون محمد علی جناح سے رابطہ کیا گیا۔ اس دوران ۱۹۲۸ء میں سر سکندر حیات خاں (۱۸۹۲ء۔ ۱۹۴۲ء) ریاست بہاولپور کے وزیر اعظم مقرر ہوئے۔ ان کی وزارت عظمیٰ کے ابتدائی دور میں پہلا بڑا معاملہ آبپاشی کے منصوبے ستلج ویلی پراجیکٹ کے قرض کی واپسی سے متعلق تھا۔ کیونکہ ریاست کی مالی حالت بہتر نہ تھی اور انگریز حکومت کا دباؤ بھی بڑھ رہا تھا جبکہ ہوم منسٹر مولوی غلام حسین (۱۸۶۳ء۔ ۱۹۴۹ء) ریاست میں ریلوے لائن کی تعمیر کیلئے انگریزوں کو دی جانے والی اراضی کی رقم کا مطالبہ کرنا چاہتے تھے۔ اس صورت حال

سے سر سکندر حیات نے انگریز حکومت کو مطلع کر دیا اور اس طرح انگریز حکومت قرضے کی رقم کے عوض ریاست کی کچھ اراضی ضبط کرنے کے بارے میں سوچنے لگی۔ ریاست کے بہی خواہ کی حیثیت سے ہوم منسٹر نے وزیر اعظم کی مخالفت شروع کر دی جس کے نتیجے کے طور پر نواب بہاول پور انگریزوں کے ایماء پر مقرر کردہ وزیر اعظم کو ان کے منصب سے علیحدہ کرنے کے بارے میں سوچنے لگے۔ اس سلسلے میں انہوں نے قائد اعظم سے جو ان دنوں ریاست کے قانونی مشیر تھے' اپنے پرائیویٹ سیکرٹری میجر شمس الدین (۱۹۲۲ء ۔ ۱۹۴۹ء) کے ذریعے رابطہ کیا۔ قائد اعظم نے جواباً" کہا "جس آفیسر کی تقرری کا آپ کو اختیار ہے اسے آپ برخاست بھی کر سکتے ہیں' نیز اس سلسلے میں جو قدم اٹھانا چاہتے ہیں فوراً" اٹھائیں"۔[۱] نواب بہاول پور نے قائد اعظم کی ہدایت کے مطابق ۲۰ اگست ۱۹۲۸ء کو وزیر اعظم سکندر حیات کو برطرف کر دیا۔ انسائیکلو پیڈیا آف قائد اعظم کے مطابق "امیر آف بہاول پور نے ۱۹۳۰ء میں قائد اعظم محمد علی جناح کو اپنی ریاست کا قانونی مشیر مقرر کیا"۔[۲] جبکہ وزیر اعظم بہاول پور کی برطرفی کا واقعہ اس سے قبل اگست ۱۹۲۸ء میں پیش آیا تھا۔ ریاست کی کسی سرکاری دستاویز سے بھی اس بات کی تصدیق نہیں ہوتی کہ قائد اعظم کو باقاعدہ طور پر کب ریاست کا قانونی مشیر مقرر کیا گیا تھا۔ واقعی اگر قائد اعظم نے ریاست کا قانونی مشیر بننا قبول کیا تو یہ غیر سرکاری طور پر نواب بہاول پور سے تعلق خاص کی بنا پر ہوگا اور یہ عہدہ قائد اعظم نے ۱۹۲۸ء سے پہلے قبول کیا ہوگا نہ کہ ۱۹۳۰ء میں۔

برصغیر کی تحریک آزادی کے سلسلے میں نواب بہاول پور کا کوئی سیاسی بیان نظر سے نہیں گزرا لیکن اس دور کے سیاسی زعماء بالخصوص قائد اعظم سے ان کا قریبی رابطہ تھا اور وہ ان کی تمام سیاسی مصروفیات سے آگاہ رہتے تھے۔ جب قائد اعظم کی لندن روانگی کی اطلاع نواب کو موصول ہوئی تو آپ نے اپنے ملٹری سیکرٹری بریگیڈیر نذیر علی شاہ (وفات ۱۹۸۴ء) کو کراچی جانے کا حکم دیا جس میں قائد اعظم کیلئے خصوصی مراسلہ' درسی کتب کے سائز جتنا کرنسی نوٹوں کا سربمہر ایک بنڈل اور قرآن کریم کا نادر طلائی نسخہ بھی ہمراہ بھیجا۔ نذیر علی شاہ نے قائد اعظم سے ملاقات کی اور کہا "میرے آقا نے قرآن کریم کا یہ نسخہ بطور قرآن وسیلہ دلی عقیدت کے ساتھ بھیجا ہے' قائد اعظم نے جواباً" کہا بڑی مہربانی' بڑی مہربانی فرمائی"۔[۳] نذیر علی شاہ کے اس مضمون میں قائد اعظم سے ملاقات کی کوئی تاریخ درج نہیں ہے لیکن اس مضمون سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تحریک پاکستان کے آخری دور سے متعلق ہے۔ جبکہ قائد

اعظم کی طرف سے نواب بہاول پور کیلئے شکریے کا خط ۳۰ نومبر ۱۹۴۱ء کے حوالے سے ملتا ہے۔ اس خط کا نفس مضمون کچھ اس طرح ہے "عزت ماب نواب آف بہاولپور، میری لندن روانگی کے موقع پر آپ نے جس شفقت اور نیک تمناؤں کا اظہار فرمایا میں اس کیلئے آپ کا بے حد شکر گزار ہوں۔ قرآن مجید کا نسخہ بھجوانے پر میں جناب والا کا بے حد ممنون ہوں۔ مزید تفصیلی گفتگو بوقت ملاقات ہوگی۔ بہت آداب کے ساتھ۔ محمد علی جناح"۔[۱۴]

ان دو شخصیات کی پہلی باضابطہ ملاقات کا ذکر ۱۹۴۵ء میں ملتا ہے۔ یہ ملاقات دہلی میں نواب صادق محمد کی رہائش گاہ واقع ۱۰ اورنگ زیب روڈ پر ہوئی۔ نواب بہاولپور جنگ عظیم دوم کے جشن فتح کی تقریبات کے سلسلے میں ۱۹۴۵ء میں حکومت کی دعوت پر دہلی آئے ہوئے تھے۔[۱۵] جہاں قائد اعظم نے رسمی گفتگو کے بعد تحریک آزادی ہند کے بارے میں تفصیلاً" تبادلہ خیال کیا۔ دوسری ملاقات اسی سال کے آخر میں ہوئی جب نواب صادق محمد گنگز وے ریلوے اسٹیشن دہلی پر اپنے سیلون میں قیام فرما تھے۔ ایک روز انہوں نے سیکرٹری سیاسیات شیخ حفیظ اللہ سے کہا کہ وہ "قائد اعظم کے پاس جائیں اور ان سے درخواست کریں کہ وہ سیلون میں آنے کی زحمت گوارا فرمائیں کیونکہ میری نازک پوزیشن ان کے سامنے ہے۔ قائد اعظم شام کو چائے پر تشریف لائے اور سیلون میں اعلیٰ حضرت سے دو گھنٹے تنہا گفتگو کرتے رہے۔"[۱۶] اس ملاقات کے بعد انہوں نے اپنے ملٹری سیکرٹری سعید ہاشمی (جو اس وقت گفتگو میں موجود نہیں تھے) سے کہا "تم نے آج ایک بہت اچھا موقع ضائع کر دیا ہے قائد اعظم سے آج میں نے بہت کچھ سیکھا پاکستان سے لیکر بین الاقوامی مسائل تک ان سے بڑی تفصیلی گفتگو ہوئی البتہ قائد اعظم کو دفاع اور کشمیر کی نازک دفاعی پوزیشن سے متعلق زیادہ معلومات نہ تھیں اس سلسلے میں ان سے استفادہ نہ ہو سکا"۔[۱۷] نواب کا (قائد اعظم سے ملاقات) یہ اقدام اس دور میں بڑا جرات مندانہ تھا کیونکہ انگریز حکومت سیاسی رہنماؤں کے ساتھ ریاستوں کے حکمرانوں کے میل جول کو اچھی نظر سے نہ دیکھتی تھی۔

قیام پاکستان کے سلسلے میں ابتدائی ضروریات کیلئے پہلی امداد نواب بہاولپور کیطرف سے اپنے دوست و مہربان کی خدمت میں ۱۹۴۵ء کو لندن میں پیش کی گئی۔ یہ امدادی چیک جو ۵۲ ہزار پونڈز پر مشتمل تھا،[۱۸] نواب بہاولپور کو جنگ عظیم دوم کے شریک ممالک کے نقصانات کے سلسلے میں ملا تھا اسے

آپ نے لندن میں ہی قائد اعظم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اسی طرح مالی امداد کے ساتھ ساتھ نواب بہاولپور نے مسلمانوں کے محسن کی سیاسی امداد بھی جاری رکھی اور مسلمانوں کیلئے ایک علیحدہ خطہ پاکستان حاصل کرنے کی کوششوں میں قائد اعظم کا ہمیشہ ساتھ دیا۔ اسی سلسلے میں کمشنر بہاولپور سید ہاشم رضا' نواب بہاولپور کے حوالے سے اس بات کا ذکر کرتے ہیں کہ نواب نے مہاراجگان جودھ پور اور جے پور کو بھی مملکت پاکستان سے الحاق کرنے کی ترغیب دی تھی اور انکی ملاقات دہلی میں قائد اعظم سے بھی کرائی۔ یہ دونوں مہاراجے سردار پٹیل (١٨٧٥ء - ١٩٥٠ء) کے سیاسی طرز عمل سے نالاں تھے۔ قائد اعظم نے انہیں سادہ کاغذ دیکر کہا جو شرائط چاہیں لکھ دیں ہم قبول کر لیں گے۔[١٩] اس بات کی اطلاع محکمے کے سیکرٹری وی۔ پی مینن (١٨٩٤ء - ١٩٦٤ء) کو ہوگئی تو انہوں نے لارڈ ماونٹ بیٹن (١٩٠٠ء - ١٩٧٩ء) کی معرفت ان راجاؤں کو راضی کیا' جس کے نتیجے کے طور پر ان ریاستوں کا الحاق پاکستان سے نہ ہوسکا۔ کیونکہ ہندوستان کے راجے مہاراجے ابھی تک انگریزوں کے اثر سے باہر نہیں نکلے تھے۔

قائد اعظم بھی اس دوستی کو ہمیشہ قدر کی نظر سے دیکھتے تھے اور ریاست کے معاملات میں ہمیشہ نواب اور انکی حکومت کی پالیسیوں کی حمایت کرتے تھے۔ اس سلسلے کا ایک واقعہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ قائد اعظم نے عوامی رجحانات کے برعکس ریاستی حکومت کی پالیسیوں کی حمایت کی۔ واقعات کے مطابق حکومت بہاول پور نے اپنی ریاست میں ہر قسم کی سیاسی سرگرمیوں پر پابندی عائد کی ہوئی تھی جو بہاول پور پبلک سوسائیٹیز ایکٹ ٢٥ اپریل ١٩٤٢ء کے نوٹیفیکیشن نمبر١٢٧٦ کی دفعہ ٤' شاہی فرمان ریاست بہاول پور کے تحت جاری ہوا "(ریاست بہاول پور) کے اندر کوئی سوسائٹی بھی (صوبائی حکومت) کی اجازت کے بغیر قائم نہیں کی جائے گی۔ اگر سوسائٹی کا وجود پہلے ہی سے قائم ہے تو اسی تاریخ سے جبکہ یہ ایکٹ عمل میں آیا ہے (صوبائی حکومت) کی اجازت کے بغیر قائم نہیں رہے گی جو کہ اس ایکٹ کے عمل میں آنے کی تاریخ کے تیس دن کے اندر اندر حاصل کر لینی چاہئے"۔[٢٠] اس قانون کے تحت ریاستی حکومت نے برصغیر کی کسی سیاسی جماعت کو بھی ریاست کے اندر اپنی جماعت کی شاخ قائم کرنے کی اجازت نہیں دی۔ کیونکہ انکا خیال تھا کہ اگر مسلم لیگ کو اجازت دی گئی تو پھر ریاست کے ہندو کانگریس سے رجوع کریں گے اور اسطرح ریاست میں ان دونوں جماعتوں کیوجہ سے سیاسی تصادم ہوگا جو ریاست کو گوارا نہ تھا۔ کیونکہ ریاست کی آبادی کی اکثریت مسلمان تھی اور اس دور میں

برصغیر کے مسلمانوں کی اکثریت مسلم لیگ سے وابستہ تھی لہٰذا بہاول پور کے مسلمان کہاں پیچھے رہ سکتے تھے۔ آل انڈیا اسٹیٹس مسلم لیگ قائم ہوئی تو بہاول پور کے عبدالمجید خاکوانی ایڈووکیٹ اس تنظیم کے پہلے نمائندے مقرر ہوئے بعد میں اسکی مجلس عاملہ کیلئے بہاولپور کے انوار الرب گلزار کریمی کو بھی نامزد کیا گیا۔[۲۱] لیکن ان تقرریوں سے بہاول پور کے عوام مطمئن نہ ہوئے آخرکار پیرزادہ محمد سلیم اسلم ایڈووکیٹ (۱۹۱۰ء۔۱۹۶۸ء) کی قیادت مسلم بورڈ کے نام سے ایک نئی جماعت معرض وجود میں آئی جس کے جنرل سیکریٹری سلطان عبدالحمید (۱۹۰۸ء ۔ ۱۹۵۱ء) مقرر ہوئے۔ انہوں نے ریاستی حکومت کو مسلم لیگ کی شاخ قائم کرنے کی اجازت کیلئے درخواست دی جو منظور نہ ہوسکی چنانچہ اس سلسلے میں مسلم بورڈ کے جنرل سیکریٹری سلطان عبدالحمید نے ایک خط قائد اعظم کی خدمت میں ۱۲ نومبر ۱۹۴۶ء کو ارسال کیا جس میں ریاستی حکومت کے طرز عمل کے بارے میں شکایت کی گئی تھی اور بابائے قوم سے اس بات کی بھی رائے لینا چاہی کہ کیوں نہ ریاستی قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اس تنظیم کا نام بدل کر بہاولپور اسٹیٹ مسلم لیگ رکھ لیا جائے کیونکہ اس معاملے میں آپکی ہدایت انتہائی ضروری تھی۔ قائد اعظم نے عوامی جذبات کے برعکس نواب بہاولپور کے ساتھ دوستانہ مراسم کے پیش نظر ریاستی قانون کا احترام کرتے ہوئے جواباً" مختصر ٹیلی گرام ارسال کیا۔ جس کے الفاظ کچھ اس طرح ہیں کہ "دوستانہ فضا میں حکومت سے مذاکرات کیے جائیں آپ کی کامیابی کا متمنی۔ جناح[۲۲]۔ اس طرح قائداعظم نے اپنے دوست حکمران کی ریاست میں موجود قانون کے احترام کی تلقین کی اور سفارش کرنے کی بجائے پارٹی کے عہدیداران سے کہا کہ وہ دوستانہ طریقے سے معاملات کو آگے بڑھائیں اور یہ کہ پارٹی کا دباؤ قبول کرنے سے اجتناب کیا۔

ریاست کے الحاق کے سلسلے میں ایسا ہی دباؤ جب نواب بہاولپور پر کانگریسی زعماء کیطرف سے ڈالا گیا تو نواب نے بھرپور عزم و استقلال کا مظاہرہ کیا۔ خاص طور پر قیام پاکستان سے کچھ عرصہ پہلے پنڈت جواہر لال نہرو (۱۸۸۹ء ۔۱۹۶۴ء) کی ہمشیرہ وجے لکشمی پنڈت اور ایک کانگریسی رکن مہارانی امرت کور نے صادق گڑھ پیلس واقع ڈیرہ نواب صاحب میں ملاقات کے دوران نواب کو یہ پیش کش کی کہ آپ کے ساتھ ایک خصوصی معاہدہ کیا جاسکتا ہے جو باقی ریاستوں کے ساتھ نہیں ہوگا اور آپکی آزادی و خود مختاری کو ہمیشہ کیلئے ضمانت حاصل ہوگی۔ نواب نے جواباً" کہا "بہاول پور ایک مسلم ریاست ہے

اور میں آپکی اس تجویز پر سوچ تک نہیں سکتا۔[۲۳] ان دونوں خواتین نے لندن میں ایک انگریز دوست کے ہمراہ نواب بہاولپور سے ایک اور ملاقات کی اور اپنی سابقہ پیشکش کو دہرایا اور مزید مراعات دینے کیلئے بھی کہا۔ نواب نے واضح جواب دیتے ہوئے کہا "Bahawalpur is a Muslim State I will accede to Pakistan" [۲۴] حالانکہ اس سے قبل سر ایلف کیرو جو وائسرائے ہند کے مشیر امور خارجہ تھے نے بھی نواب بہاول پور سے دریافت کیا تھا کہ " اگر پاکستان بنا تو آپ کا مستقبل کیا ہوگا تو انہوں نے کہا میرا سامنے کا دروازہ پاکستان میں کھلتا ہے اور پچھلا دروازہ راجپوتانہ میں اور ایک شریف آدمی اپنے سامنے کے دروازے سے ہی جانا پسند کرتا ہے۔[۲۵]

قائد اعظم اور نواب بہاول پور کی دہلی میں چند ملاقاتوں کے بعد زیادہ ملاقاتیں کراچی میں ہوئیں۔ یہ اعزاز بھی امیر بہاولپور کی رہائش گاہ قصر الشمس واقع ملیر کو حاصل ہے۔ قائد اعظم جب کراچی تشریف لاتے تو یہیں قیام فرماتے۔ قصر الشمس کے علاوہ دوسرا محل النجم ہے وہ قائداعظم کی قیام گاہ تھی وہیں انتقال اقتدار سے متعلق سب تیاریاں مکمل کی گئیں۔ قائداعظم جب گورنر جنرل بنے تو ہر جمعہ کی شام کو آکر النجم میں قیام فرماتے اور پیر کے دن صبح کو واپسی ہوتی وہاں کے کنوؤں کا پانی قائداعظم کو اتنا پسند آیا کہ وہی انکے استعمال کیلئے (گورنر جنرل ہاؤس) کراچی لے جایا جاتا۔[۲۶] قائداعظم اور نواب کے مراسم اس حد تک بڑھ چکے تھے کہ "قیام پاکستان سے قبل ہزہائی نس نے ملیر میں ایک قطعہ اراضی بہ اصرار قائداعظم کو تحفے کے طور پر دیا"۔[۲۷] قیام پاکستان کے موقع پر جشن آزادی کی تقریبات کے سلسلے میں قائد اعظم نے اپنے محترم دوست کو لندن میں دعوت نامہ بھجوایا تھا۔ نواب اپنی ذاتی مصروفیات کی بنا پر اس تقریب میں شریک نہ ہوسکے لیکن ۱۰ اگست ۱۹۴۷ء کو جب قائد اعظم کراچی پہنچے تو ان کی آمد سے پہلے نواب بہاولپور نے' بیرون ملک سے' اپنے وزیر اعظم اور اسٹیٹ کمانڈنگ جنرل مارڈن کو بذریعہ ٹیلی گرام حکم بھجوایا کہ "قائد اعظم نئ معرض وجود میں آنے والی مملکت کے سربراہ بننے والے ہیں جونہی وہ ملیر کراچی تشریف لائیں تو بہاولپور کی فرسٹ انفنٹری بٹالین کوٹھی کے گیٹ پر قائد کو گارڈ آف آنر پیش کرے اور بطور سربراہ مملکت انکا استقبال کیا جائے"۔[۲۸] اس طرح ریاست بہاولپور اور اس کی افواج کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ قائد اعظم کو سب سے پہلا رائل سیلوٹ اور گارڈ آف آنر پیش کیا۔ علاوہ ازیں ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو قائد اعظم کیلئے جو جلوس نکالا گیا "اس میں

آٹھ گھوڑوں کی بگھی، چتر شاہی، شامیانہ، گھوڑ سوار اور جانثار سب بہاولپور سے روانہ کئے گئے۔[۲۹] اسی طرح قائد اعظم لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ گورنر جنرل کے حلف کیلئے تشریف لے گئے تو اس وقت جو رولز رائس کار نمبر BWP.72 استعمال کی گئی وہ بھی نواب بہاولپور کی ہی تھی۔[۳۰] جبکہ بقول شہزادہ مامون الرشید اس وقت ”حکومت پاکستان کے پاس کوئی گاڑی نہ تھی بابا (نواب بہاولپور) کو پتہ چلا تو انہوں نے دو رولز رائس گاڑیاں بھیج دیں ان کے لئے ڈرائیور نہ ملے تو لیفٹیننٹ عبدالرحمن اور صوبیدار بچو خان کو بھیجا گیا۔ تقریبات کے بعد قائد اعظم نے گاڑیاں واپس بھیجیں تو بابا نے واپس لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ایک گاڑی آپ اور ایک گاڑی محترمہ فاطمہ جناح تحفہ میں قبول فرمائیں۔ قائد اعظم جو کسی سے تحفہ قبول نہ کرتے تھے ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہوگئے۔[۳۱] اسی طرح قیام پاکستان کے بعد جو فوری مالی مسائل درپیش تھے، مثلاً کرنسی کی ضمانت، سرکاری اداروں کی تنخواہیں، اور ملک چلانے کیلئے مالی اعانت، اس سلسلے میں ریاست بہاولپور نے پاکستان کی ضمانت دی، سرکاری اداروں کی تنخواہوں اور نظام مملکت کو چلانے کے لئے سات کروڑ روپے کی خطیر رقم فراہم کی۔[۳۲] اس بات کا اعتراف قائد اعظم نے لاہور ہائی کورٹ بار سے خطاب کے دوران کیا آپ نے فرمایا ”ہمیں تو قلم کی سیاہی تک کیلئے ریاست بہاولپور نے امداد دی“۔[۳۳] اس کے علاوہ جب مہاجرین کا ایک جم غفیر کسمپرسی کی حالت میں ریاست بہاولپور پہنچا تو نواب نے انہیں خوش آمدید کہا، انکی کفالت و روزگار کا بندوبست کیا، انکی آبادکاری کیلئے ریاست میں وزارت مہاجرین قائم کی اور اس ضمن میں ضروری فنڈز دیئے۔ جبکہ پاکستان میں بحالی مہاجرین کیلئے قائد اعظم کے ریلیف فنڈ میں پانچ لاکھ روپے دیئے۔[۳۴] علاوہ ازیں جب بھارت نے اپنی پاکستان دشمن پالیسی کی بنا پر زرمبادلہ روک لیا اور پاکستان جیسی نوزائیدہ مملکت کو انتظامی اور اقتصادی اعتبار سے مفلوج کرنے کی کوشش کی تو نواب بہاولپور نے ”قائداعظم کی اپیل پر پاکستان کیلئے دو کروڑ روپے نقد اور ۲۲ ہزار ٹن گندم بطور امداد دی“۔[۳۵] اسطرح جس حد تک ہوسکا ریاست بہاولپور نے جو اس وقت تک ایک علیحدہ مملکت تھی اپنی ہمسایہ اور دوست مملکت پاکستان کی دامے، درمے، سخنے مدد کی۔ اس کا تذکرہ وائن آئرس ولکاکس نے کچھ اسطرح کیا ہے کہ پاکستان کے قیام کیلئے جب مالی امداد کی ضرورت تھی تو ریاستی حکمرانوں نے بہت زیادہ امداد کی۔ قلات اور بہاولپور کی حکومت کے اعلیٰ عہدیداروں نے بھی اس بات کا ذکر کیا ہے کہ جناح کی اپیل کے بعد ذاتی طور پر بہت زیادہ امداد دی گئی

جو ریاستی خزانے کی بجائے حکمرانوں کی ذاتی ملکیت سے تھی۔ حالانکہ ریاستی خزانے کی کڑی نگرانی کی جارہی تھی کہ اسے سیاسی اخراجات کیلئے استعمال نہ کیا جا سکے۔[۳۶] پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے فوراً بعد اس مملکت کو معاشی بدحالی سے بچانے کیلئے نواب بہاولپور نے جو ناقابل فراموش مالی اعانت کی وہ ان کی خاندانی روایات کا اہم حصہ تھی۔ جیسا کہ اس سے پہلے اس ریاست کے حکمرانوں نے مغلوں، افغانوں اور انگریزوں کے ساتھ دوستی کی یادگار روایات نبھائیں تھیں۔

تقسیم ہند کے وقت ریاست کے نواب کو خود بھی کئی دشواریوں کا سامنا تھا مثلاً دریائے ستلج کا منبع بھارت میں تھا جبکہ سلیمانکی ہیڈ ورکس، جس سے ریاست بہاولپور کو زرعی اراضی کیلئے پانی دستیاب ہوتا تھا، کی فراہمی بند ہونے کی صورت میں یہ اندیشہ موجود تھا کہ پوری ریاست کہیں صحرا میں نہ بدل جائے۔ اس صورت حال کا فائدہ اٹھاتے ہوئے جواہر لال نہرو نے لندن میں نواب کی رہائش گاہ سرے کاؤنٹی میں نواب سے ملاقات کی اور ریاست کے ہندوستان سے الحاق کے صلے میں درج ذیل مراعات پیش کیں۔

۱۔ امیر کے ذاتی استعمال کیلئے خالی (Blank) چیک۔

۲۔ امیر کی ذاتی املاک واقع، بمبئی، دہلی، پالم پور (کانگڑہ وادی) کی واپسی کی یقین دہانی۔

۳۔ چولستان کی آبپاشی کیلئے بھاکڑہ ڈیم سے وافر مقدار میں پانی کی فراہمی۔[۳۷]

نواب نے حسب سابق ان تمام مراعات کو مسترد کر دیا اور نہرو کے جانے کے بعد آپ نے اس ملاقات کی روئیداد صرف اپنے مہربان دوست قائد اعظم کو بیان کی۔[۳۸] اس بات کی تائید ۱۹۷۵ء میں وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے نواب عباس عباسی (۱۹۲۴ء۔ ۱۹۸۸ء) کے گورنر پنجاب مقرر ہونے کے موقع پر ایک تہنیتی خط میں درج ذیل الفاظ میں کی۔ "ہم آپ کے والد کی ان خدمات کو تسلیم کرتے ہیں جو انہوں نے قیام پاکستان کے وقت بے پناہ دباؤ کے باوجود بہاول پور کے پاکستان کے ساتھ الحاق کے فیصلے کے سلسلے میں کیں"۔[۳۹]

قیام پاکستان کے بعد ریاست میں ہندوؤں کے انخلاء اور مسلمان مہاجرین کی آمد کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ ریاست کا ریلوے سٹیشن (سمہ سٹہ جنکشن) ہندو سکھ افواج کی روانگی اور ہندوستان سے آنے والے مسلمان فوجیوں اور مہاجرین کا مرکز تھا۔ کیونکہ دونوں طرف سے لوگ لوٹ مار کا شکار تھے۔ لہٰذا

اسٹیشن پر امن قائم کرنے کی غرض سے نواب نے وہاں ریاست کی فوج تعینات کر دی۔اس دوران لوگوں کے مال و اسباب کی ایک ٹرین دہلی سے بہاولپور (سمہ سٹہ اسٹیشن) پہنچی جس کا کافی سامان آگ لگانے کیوجہ سے جل چکا تھا۔ سامان کی تلاشی کے دوران ایک بکس ملا جسکا کچھ حصہ جلا ہوا تھا جو حصہ بچ گیا تھا اس پر محمد علی جناح لکھا ہوا تھا۔ اسطرح چھان بین سے معلوم ہوا اس گاڑی میں قائد اعظم کا سامان بھی تھا جو جلا دیا گیا۔ اسٹیشن پر متعین فوجی آفیسر میجر ملک محمد خان نے اس کی رپورٹ امیر آف بہاول پور کو دی۔ نواب کو ہندوستانی حکومت کی انتظامی کوتاہی پر بہت غصہ آیا جس پر انہوں نے فوری حکم دیا کہ "جتنی بھی پٹرول کی ٹرینیں کراچی سے پٹرول لیکر دہلی جارہی ہیں سب کو روک لو"۔[۴۰] لہٰذا جب تک حالات معمول پر نہ آئے بھارت کو پٹرول کی سپلائی عارضی طور پر بند کر دی گئی۔ اسطرح نواب بہاول پور نے اپنے دوست و مہربان کا سامان جلانے پر اپنے غم و غصے کا اظہار کیا۔

پاکستان سے الحاق کیلئے نواب صادق محمد کا ذہن بالکل صاف تھا اور انہوں نے الحاق کا فیصلہ بھی کر لیا تھا۔ کیونکہ وہ ظہور پاکستان کے وقت ریاست میں موجود نہ تھے اور الحاق سے متعلق معاملات دونوں مملکتوں، پاکستان اور بہاول پور کے درمیان طے ہورہے تھے اسی وجہ سے الحاق کے اعلان میں تاخیر ہوئی۔ جس کی وجہ سے بدگمانیاں پیدا ہوئیں۔ اس سلسلے میں قائد اعظم کی بھی خواہش تھی کہ ریاست بہاولپور پاکستان سے جلد الحاق کا اعلان کرے۔ کیونکہ انکا خیال تھا کہ "یہ دوسری ریاستوں کیلئے رہنمائی ہو گی۔"[۴۱] علاوہ ازیں ریاست کی مستحکم زرعی حیثیت کے پیش نظر قائد اعظم نواب بہاولپور سے اکثر کہا کرتے تھے "بہاول پور، پاکستان میں اناج کا ذخیرہ ہو گا۔"[۴۲] بہر حال ۳ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو نواب بہاولپور نے پاکستان سے الحاق کے معاہدے پر دستخط کر دیئے جسے ۵ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو قائد اعظم کے دستخطوں سے منظور کیا گیا۔ اس معاہدے کی اہم شق پیراگراف ۸ میں درج ہے جس میں "اس بات کی ضمانت دی گئی تھی کہ ریاست بہاولپور پر امیر بہاولپور کے حقوق و اختیارات حکمرانی جاری و ساری رہیں گے"۔[۴۳]

ریاست بہاولپور نے پاکستان سے الحاق کی خوشی میں یادگاری ڈاک ٹکٹ جاری کیا جس پر قائد اعظم و نواب بہاول پور کی تصویریں تھیں۔ ۱۹۴۸ء میں نواب بہاولپور لندن میں تھے کہ انہیں قائد اعظم کی علالت کی خبر ملی اس سلسلے میں انہوں نے فوراً اپنے وزیر حضوری سعید ہاشمی کو بذریعہ ہوائی

جہاز آپکی خیریت معلوم کرنے کیلئے روانہ کیا۔ جنہوں نے زیارت پہنچ کر نواب کی طرف سے تیمارداری کی۔ قائد اعظم نے بھی امیر بہاولپور کا تذکرہ محبت آمیز اور مسرت انگیز الفاظ میں کافی دیر تک کیا۔[۴۴] جب قائد اعظم کی صحت قدرے بہتر ہوئی اور انہیں زیارت سے کوئٹہ منتقل کیا گیا تو ڈاکٹر کی یہ خواہش تھی کہ کسی طرح قائد اعظم کو کراچی جانے کیلئے رضامند کیا جائے لیکن بابائے قوم اسٹریچر پر گورنر جنرل ہاؤس نہیں جانا چاہتے تھے۔ مادر ملت سے بھی سفارش کرائی گئی۔ آخرکار انہوں نے اس شرط پر حامی بھری کہ وہ گورنر جنرل ہاؤس کی بجائے نواب بہاول پور کی رہائش گاہ پر قیام کرنا پسند کریں گے لیکن مزید یہ بھی کہا کہ وہ گورنر جنرل کی حیثیت سے نواب بہاولپور کو اپنی رہائش گاہ عارضی طور پر انہیں (قائد اعظم) دینے کیلئے ہرگز نہیں کہیں گے۔[۴۵] اس صورت حال کے پیش نظر مادر ملت نے لندن میں موجود نواب بہاولپور سے پاکستانی ہائی کمیشن کے ذریعے ۳۰ اگست کو بذریعہ ٹیلی گرام رابطہ کیا جس کا جواب تین دن کے اندر ہی موصول ہوگیا۔ لیکن اس دوران قائد اعظم کی طبیعت زیادہ خراب ہو جانے کے سبب بہاولپور ہاؤس کراچی جانے کا ارادہ بھی ملتوی کرنا پڑا۔ قائد اعظم کی زندگی نے مزید وفا نہ کی اور اسطرح آپ نے ۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء کو داعی اجل کو لبیک کہا۔ لندن میں اس خبر سے نواب بہاولپور کو دلی صدمہ ہوا۔ انہوں نے تعزیت کا پیغام بھیجا اور غائبانہ نماز جنازہ میں شرکت کی۔ کراچی میں ولی عہد ریاست بہاول پور اور شہزادہ ہارون الرشید نے قائد اعظم کے نماز جنازہ میں شرکت کی۔[۴۶] نواب بہاولپور جب پاکستان تشریف لائے تو اپنے مرحوم دوست اور ساتھی کی قبر پر ایصال ثواب کیلئے حاضری دی اور عقیدت کے پھول نچھاور کیے۔ قائد اعظم کے انتقال کے بعد نواب محترمہ فاطمہ جناح کا اسی طرح احترام کرتے رہے۔ صدر محمد ایوب خان (۱۹۰۷ - ۱۹۷۴) کے مقابلے میں فاطمہ جناح نے الیکشن لڑا تو "مادر ملت کی انتخابی مہم کیلئے ایک لاکھ روپے کا عطیہ دیا"۔[۴۷] اس الیکشن کے دوران ایک اور واقع پیش آیا۔ وہ یہ کہ جب محمد ایوب خان مخدوم زادہ حسن محمود (۱۹۲۲ء-۱۹۸۶ء) کی دعوت پر جمال الدین والی (ضلع رحیم یار خان) تشریف لے گئے تو یہاں انہیں یہ بتایا گیا کہ اگر وہ ہزہائی نس کو مجبور کرکے ظہرانہ ان کے پیلس میں کھائیں تو لوگوں پر اسکا اچھا اثر پڑے گا اور وہ سمجھیں گے کہ ہزہائی نس محمد ایوب خان کے ساتھ ہیں۔ چنانچہ ایوب خان نے نواب صاحب کو پیغام بھجوایا لیکن انہوں نے جواباً" کہا کہ "آپ صدارتی امیدوار کی حیثیت سے دورہ کر رہے ہیں اگر میں نے آپ کو لنچ دیا تو مجھ پر

یہ فرض ہوجائے گا کہ اسی شام میں مادر ملت کو بھی چائے پر بلواؤں"۔[۴۸] اس کے باوجود محمد ایوب خان وہاں پہنچے لیکن نواب نے ملنے سے انکار کر دیا اور کہلوا بھیجا کہ وہ بہت مصروف ہیں۔

المختصر دونوں محترم شخصیات کے تعلقات میں خلوص و ایثار کا جذبہ موجود تھا۔ جہاں تک نواب بہاول پور کا تعلق ہے انہوں نے اپنے محترم و معزز دوست اور نئی وجود میں آنے والی مملکت پاکستان کیلئے جس حد تک ہوسکا تمام شعبوں میں مدد کی۔ یہ امداد محض مالیاتی یا دفاعی امور تک محدود نہ تھی بلکہ انتظامی شعبوں میں بھی ریاست بہاولپور کے تجربہ کار افراد نے نوزائیدہ مملکت کے مختلف امور کو سرانجام دینے میں اہم کردار ادا کیا۔ مثلاً" چوہدری محمد علی (۱۹۳۲ء-۱۹۳۶ء) جو بعد میں پاکستان کے وزیر اعظم بنے ریاست بہاولپور کے اکاؤنٹنٹ جنرل رہ چکے تھے۔ شجاعت علی حسنی بھی ریاست میں اکاؤنٹنٹ جنرل کے منصب پر فائز رہے جو بعد ازاں گورنر اسٹیٹ بنک آف پاکستان بنے۔ سر سکندر حیات خان اور مشتاق احمد گورمانی (۱۹۴۷ء-۱۹۴۸ء) نے جن کا تعلق پنجاب سے تھا ریاست بہاولپور کے وزیر اعظم کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیں۔ اس کے علاوہ سر عبدالقادر جسٹس دین محمد اور شیخ احمد حسن نے ریاستی امور سرانجام دیے۔ مزید برآں اور بہت سے قابل افراد جنہوں نے قیام پاکستان میں اہم کردار ادا کیا تھا ریاست بہاولپور میں نظم و نسق سے منسلک تھے مابعد ان لوگوں نے استحکام پاکستان کیلئے گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔

قائد اعظم بھی نواب بہاول پور کے ساتھ بہت محبت و شفقت کا مظاہرہ کرتے رہے۔ وہ اس امر کا بخوبی اندازہ کر سکتے تھے کہ نواب بہاول پور کا اس قدر قدیم ریاست کو پاکستان میں ضم کرنا ایک بہت بڑی قربانی ہوگی۔ شاید اس احساس کے پیش نظر انہوں نے بہاول پور کا پاکستان سے الحاق کرتے ہوئے کرنسی، خارجہ امور اور دفاع، حکومت پاکستان کو تفویض کرنے کا فیصلہ کیا جبکہ داخلی امور خود نواب بہاول پور کی تحویل میں رہنے دیئے۔ جس کے تحت ریاستی ہائی کورٹ سیکرٹریٹ، دیگر محکمہ جات اور افواج بہاولپور نواب کی نگرانی میں دی گئیں۔اس کے علاوہ بہاولپور سول سروسز کا ضابطہ کار بھی علیحدہ رہا۔ لہٰذا الحاق کے معاہدے سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ جیسے قائد اعظم نے قلم نواب بہاولپور کے ہاتھ میں تھما دیا ہو کہ وہ جو چاہیں تحریر کر لیں۔ جہاں پاکستان کا قیام بابائے قوم کی مساعی جلیلہ کا ثمر عظیم تھا وہاں ریاست بہاول پور کا اس نوزائیدہ مملکت سے الحاق نواب صادق محمد خان کی فہم و فراست کا بہترین

نمونہ تھا۔ ان دونوں تاریخ ساز شخصیتوں نے اپنی اپنی جگہ عظیم الشان کردار ادا کیا اور پاکستان کی نسلیں ان پر ہمیشہ عقیدت و تحسین کے پھول نچھاور کرتی رہیں گی۔ قائد اعظم نواب بہاول پور کی صلاحیتوں کے اس حد تک معترف تھے کہ ایک دفعہ انہوں نے نواب بہاول پور کو "اپنا جانشین مقرر کرنے کا اظہار کیا لیکن نواب بہاولپور نے معذرت چاہی"۔[۴۹] اگر ایسا ممکن ہو جاتا تو ہمارا ملک اس آئینی بحران کا شکار نہ ہوتا جو خواجہ ناظم الدین (۱۹۴۸ء-۱۹۵۳ء) کے گورنر جنرل کے منصب سے مستعفی ہونے اور بعد ازاں وزارت عظمیٰ کے عہدے سے بلا جواز علیحدہ کئے جانے سے پیدا ہوا جس کا خمیازہ ہم آج تک بھگت رہے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ Muhammad Rafiq Mughal, Harappan Civilization, Recent Archaeological Research in the Cholistan Desert, New Delhi, 1982, 85.

۲۔ بشیر احمد ظامی، چولستان اور سلاطین اسلامیہ کا عہد، الزبیر، بہاول پور، ۱۹۹۴، ۱۶۵

۳۔ Punjab States Gazetteer: Vol XXXVI A, Bahawalpur State 1904, Lahore, 1908, 48.

۴۔ R.M.Croften, Report on the Administration of Bahawalpur State For The Year (1945-46), Lahore, 1947, 1.

۵۔ سعید ہاشمی، سوانح حیات صادق، لاہور، ۱۹۴۹، ۶۵

۶۔ R.M. Croften, op.cit., 7.

۷۔ Ibid., 137.

۸۔ مخدوم زادہ سید حسن محمود، میرا سیاسی سفر، لاہور، ۱۹۸۶، ۶۱

۹۔ Niaz Muhammad Khan, Let Punjab Speak, Lahore, 1970, 10-11.

۱۰۔ مسعود حسن شہاب، مشاہیر بہاول پور، بہاول پور، س-ن، ۲۳

۱۱۔ ایضاً، بہاول پور کی سیاسی تاریخ، لاہور، ۱۹۷۷ء، ۶۱

۱۲۔ زاہد حسین انجم، انسائیکلو پیڈیا قائد اعظم، لاہور، ۱۹۹۱ء، ۴۱۲

۱۳۔ نذیر علی شاہ، قرآن کریم کا ایک تاریخی نسخہ، نخلستان ادب، قائد اعظم نمبر، بہاول پور ۱۹۷۶ء، ۲۸

۱۴۔ قائد اعظم پیپر، سیل فائل نمبر ۲۳۲، ۱

۱۵۔ نذیر علی شاہ، صادق نامہ، (مترجم صدیق طاہر)، لاہور، ۱۹۷۱ء، ۱۵

۱۶۔ سید تابش الوری، بہاولپور، دوہری غلامی اور دوہری آزادی کی داستان۔ ایک عہد ایک تاریخ، الزبیر، تحریک آزادی نمبر، لاہور، ۱۹۷۰ء، ۵۰۵

۱۷۔ ایضاً، ۵۰۵

۱۸۔ محمد قمرالزمان عباسی، بہاولپور کا صادق دوست، لاہور، ۱۹۹۲ء، ۳۰

۱۹۔ سید ہاشم رضا، عجیب خطہ الفت ہے ارض بہاولپور، الزبیر، بہاولپور نمبر، ۶۶

۲۰۔ محمود علی افسوں، Bahawalpur Code (From 1908–1955)، گورنمنٹ پریس بہاولپور، ۱۹۶۷ء، ۶۳۔۶۴

۲۱۔ مسعود حسن شہاب، بحوالہ سابقہ، ۱۲۲۔

۲۲۔ ایضاً، ۱۲۶

۲۳۔ روزنامہ جاگ، سنڈے میگزین، صادق دوست نمبر، ۲۴ مئی ۱۹۹۵ء احمد پور شرقیہ، ۲

۲۴۔ ایضاً، ۲

۲۵۔ مسعود حسن شہاب، مشاہیر بہاول پور، ۲۶

۲۶۔ صدرالدین احمد صدیقی، نوابوں اور راجوں کے دلچسپ واقعات۔ بھولی بسری یادیں، اردو ڈائجسٹ، فروری ۱۹۷۸ء، ۱۲۶

۲۷۔ شہزادہ مامون الرشید عباسی، انٹرویو، الزبیر، سہ ماہی، شمارہ ۴، بہاولپور، ۱۹۹۰ء، ۶۱

۲۸۔ زاہد حسین انجم، بحوالہ سابقہ، ۴۱۳

۲۹۔ شہزادہ مامون الرشید عباسی، بحوالہ سابقہ، ۶۱

۳۰۔ روزنامہ جاگ، بحوالہ سابقہ، ۲

۳۱۔ شہزادہ مامون الرشید عباسی، بحوالہ سابقہ، ۶۱

۳۲۔ روزنامہ جاگ، بحوالہ سابقہ، ۶

۳۳۔ ایضاً، ۶

۳۴۔ مسعود حسن شہاب، بحوالہ سابقہ، ۲۸

۳۵۔ ہفت روزہ یاور، احمد پور شرقیہ، ۲۲ مئی ۱۹۸۹ء۔

۳۶۔ Wayne Ayres Wilcox, Pakistan The Consolidation of a Nation, New Yark, 1963, 50.

۳۷۔ Nurul Zaman Ahmad Auj, Legacy of Cholistan, Lahore, 1995, 7.

۳۸۔ Ibid., 202.

۳۹۔ Ibid., 272.

۴۰۔ محمد قمرالزماں عباسی، بغداد سے بہاولپور تک، لاہور، ۱۹۸۷ء، ۱۱۶

۴۱۔ مسعود حسن شہاب، بہاولپور کی سیاسی تاریخ، ۱۴۸

۴۲۔ صدرالدین احمد صدیقی، بحوالہ سابقہ، ۱۳۶

۴۳۔ مسعود حسن شہاب، بہاول پور کی سیاسی تاریخ، ۱۴۳

۴۴۔ سعید ہاشمی، بحوالہ سابقہ، ۸۰

۴۵۔ خالد محمود ربانی، قائد اعظم کے آخری پچاس دن اور انکے معالج، لاہور، ۱۹۸۹ء، ۳۲

۴۶۔ سعید ہاشمی، بحوالہ سابقہ، ۸۱

۴۷۔ ہفت روزہ سیرت، لاہور، ۲۲ مارچ ۱۹۷۰ء۔

۴۸۔ ایضاً۔

۴۹۔ زاہد حسین انجم، بحوالہ سابقہ، ۴۱۳

Institute's Publications

1.	*Political Parties in Pakistan, 1947-1971*, (3 vols.), Dr. M. Rafique Afzal	Rs. Rs. Rs.	90/- 250/- 250/-
2.	*The Case for Pakistan*, Dr. M. Yusuf Abbasi	Rs.	260/-
3.	*London Muslim League (1908-1928): A Historical Study*, Dr. M. Yusuf Abbasi	Rs.	260/-
4.	*Making of Pakistan: The Military Perspectives*, Dr. Noor-ul-Haq	Rs.	150/-
5.	*The Frontier Policy of Delhi Sultans*, Dr. Agha Hussain Hamadani	Rs.	150/-
6.	*Newsletters in the Orient*, Dr. Abdus Salam Khurshid	Rs.	120/-
7.	*Quaid-i-Azam and Education*, Dr. S.M. Zaman (ed.)	Rs.	200/-
8.	*Islam in South Asia*, Dr. Waheed-uz-Zaman and Dr. M. Saleem Akhtar (eds.)	Rs.	450/-
9.	*Exporting Communism to India: Why Moscow Failed?* Dushka H. Sayid	Rs.	150/-
10.	*Multan: History and Architecture*, Dr. Ahmed Nabi Khan	Rs.	160/-
11.	*Pakistani Culture: A Profile*, Dr. M. Yusuf Abbasi	Rs.	300/-
12.	*Muslim Ummah and Iqbal*, Dr. (Brig) Muhammad Ashraf Chaudhry	Rs.	250/-
13.	*Pakistan: A Religio-Political Study*, Dr. Shaukat Ali	Rs.	350/-
14.	*Islam and Democracy in Pakistan*, Dr. M. Aslam Sayid	Rs.	200/-
15.	*History of Sind* (*British Period 1843-1936*) Vol. I, Dr. Laiq Ali Zardari	Rs.	200/-
16.	*Modern Muslim India in British Periodical Literature* (*1843-1936*) Vol. I, Dr. K.K. Aziz	Rs.	480/-
17.	*Jamiyyat Ulama-i-Pakistan, 1948-79*, Mujeeb Ahmad	Rs.	150/-
18.	*Perspectives on Kashmir*, Dr. (Miss) K.F. Yusuf (ed.)	Rs.	350/-
19.	*Separation of Sind from Bombay Presidency*, (2 vols.) Dr. Hamida Khuhro	Rs.	120- 250/-
20.	*History of the Northern Areas of Pakistan*, Dr. A.H. Dani	Rs.	350/-
21.	*The Punjab Muslim Students Federation, 1937-47*, Dr. Sarfaraz Hussain Mirza	Rs.	250/-
22.	*N.W.F.P. Administration under British Rule, 1901-1919*, Dr. Lal Baha	Rs.	75/-
23.	*Thatta: Islamic Architecture*, Dr. A.H. Dani	Rs.	240/-